مسلک دیوبند اور تحریک دیوبند کا مرکز، جس کو آج ہم 'دار العلوم دیوبند' نام سے جانتے ہیں؛ تقریباً ایک صدی تک 'مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند' سے ہی معروف تھا۔ دار العلوم کے پرانے کاغذات اور ماہنامہ القاسم کے نسخوں میں 'مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند ' ہی ملتا ہے۔
5 اپریل 1912 عیسوی مطابق 17 ربیع الثانی 1330 میں حکیم الامہ حضرت تھانوی رح (1863 -1943) نے میرٹھ میں منعقد مؤتمر الانصار کے اجلاس ثانی میں "دعاۃ الأمۃ و ھداۃ الملۃ" عنوان سے ایک مفصل مقالہ خود پڑھ کر سنایا تھا، جو ماہنامہ القاسم میں شائع بھی ہوا؛ اس میں 'دار العلوم' کی تجویز تھی۔ حضرت کی عبارت یہ ہے: "...ایسے مدرسہ کا لقب پہلے سے عام و خاص کی اصطلاح میں دار العلوم ہوتا ہے...". اسی تجویز کے مطابق اس مرکز کا نام 'مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند ' سے 'دار العلوم دیوبند' ہوا۔
لیکن تبدیلی آئی اور بعد میں؛ 1950 میں دار العلوم دیوبند کے صدر گیٹ 'باب قاسم' کی تصویر میں 'مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند ' ہی ہے، اور 1980 میں صد سالہ جلسے کے وقت کی تصویر میں 'دار العلوم دیوبند' ہے، اس سے ظاہر ہے، جو تبدیلی آئی وہ سن 1950 سے 1980 کے بیچ میں ہوئی۔

1950

صفدر راز

دُعَاۃُ الاُمّۃِ وھُدَاۃُ المِلّۃِ
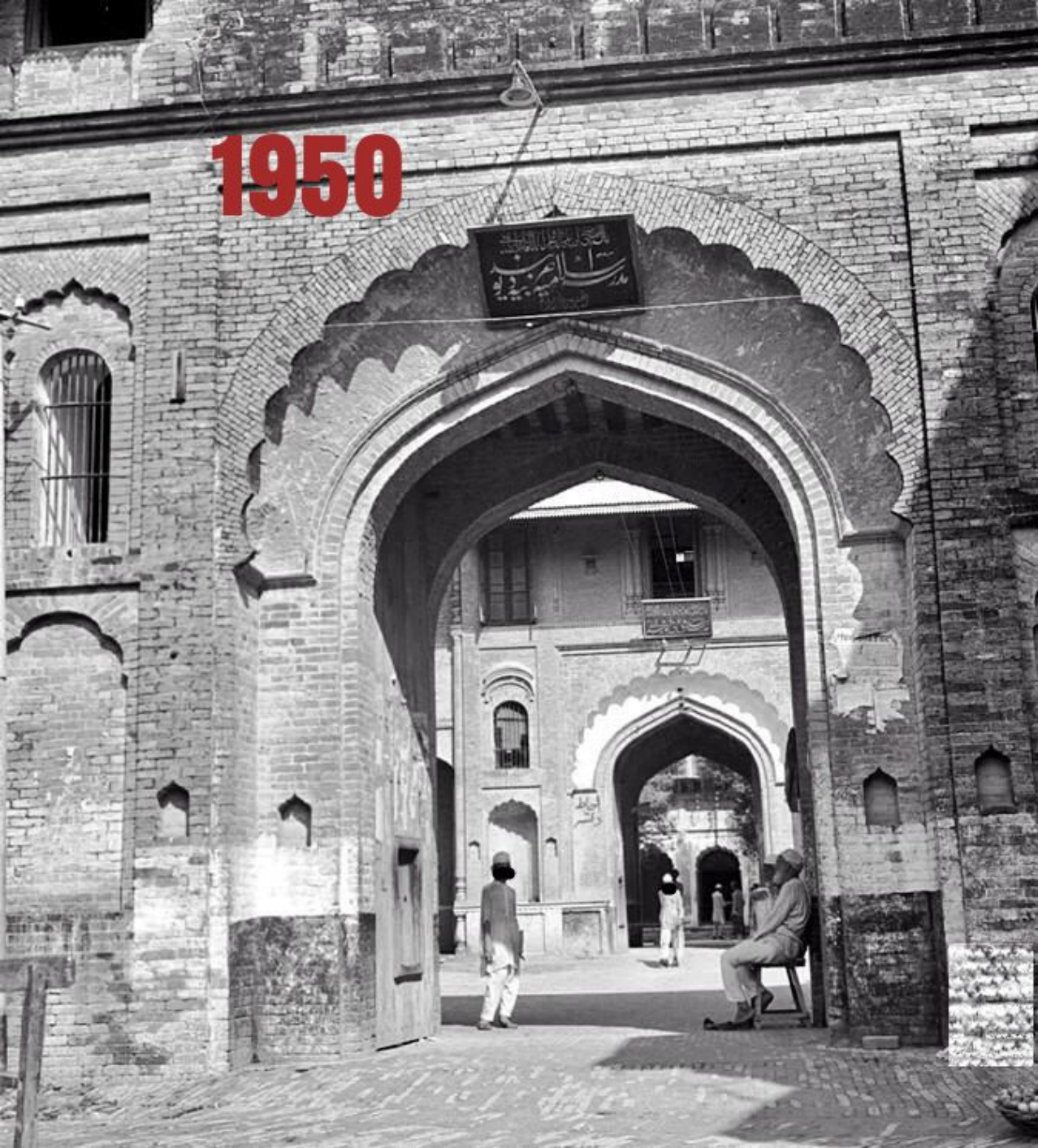
(افادات حکیم الامّۃ حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب مدظلہم جسکو حضرت ممدوح نے ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ کو مؤتمر الانصار کے اجلاس ثانی میرٹھ میں خود پڑھکر سنایا)

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ باقتضائے وقت ایک ضروری مضمون متعلق بقاء ملۃ اسلام کے عرض کرتا ہے جسکو پولیٹیکل معاملات سے کچھ تعلق نہیں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولتکن منکم اُمّۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واُولٰئک ھم المفلحون۔ یعنی تم مسلمانوں میں (ہمیشہ) ایک ایسی جماعت رہنا چاہیئے جو خیر کی طرف (لوگوں کو) دعوت کرتی رہیں اور اچھی باتوں کی فرمائش کرتی رہیں اور بُری باتوں سے منع کرتی رہیں اور (دنیا و آخرت میں) کامیاب یہی لوگ ہیں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لایزال طائفۃ من اُمّتی منصورین علی الحق لایضرھم من خذلھم۔ یعنی میری اُمت میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت (خدمت دین کیلئے) موجود رہیگی جو (منجانب اللہ) منصور (و مؤید) ہونگے اور حق پر قائم ہونگے اور جو شخص اون کا ساتھ نہ دیگا وہ (یعنی اوسکا ساتھ ندینا) اون کیلئے مضر نہوگا۔

آیۃ شریفہ تشریعًا ایسی جماعت کو ضروری بتلارہی ہے جو طریق حق کیطرف اُمت کے داعی و ملت کے ہادی ہوں اور اخیر میں لفظ عام سے اِس جماعت کی کامگاری کی بشارت دے رہی ہے۔ اور حدیث شریف بعد ضرورت تشریعیہ کے ایسی جماعت کے وجود تکوینی مستمر الی یوم القیامۃ کی پیشین گوئی کر رہی ہے اور اُس جماعت کی کامگاری کا راز کہ تائید من اللہ ہے بتلارہی ہے اور لایضرھم من خذلھم سے لطیف و خفی لہجہ میں اوس جماعت کے ساتھ ندینے والی کا مذموم و ملوم ہونا اس عنوان سے ظاہر کر رہی ہے کہ اوس جماعت کا جب خدا تعالیٰ ساتھ دیتا ہے جس سے وہ منصورین کی صفت سے موصوف ہوئی تو اونکا ساتھ ندینے والا خدا کا مخالف ہوا کہ خدا تو ساتھ دے اور وہ شخص ساتھ ندے اعاذنا اللہ منہ۔

اور ایک طرف جس طرح ساتھ نہ دینے والے کو مذموم و ملام کہہ رہی ہے دوسری طرف مریح دلالت سے اوس جماعت کو کسی کے ساتھ نہ دینے سے اندیشہ میں پڑنے سے بیفکر کر رہی ہے کہ تم تسلی رکھو اگر تمھارا کسی نے ساتھ نہ دیا تب بھی تمکو اس سے ضرر نہو گا اور تمھاری کامیابی میں تمھارا انفراد سنگ راہ نہو گا کیونکہ تمھارا ساتھ دینے والا خدا ہے جس کے ساتھ دینے کے بعد کسی کے ساتھ دینے کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔

اور اس پر نظر کر کے یہ کہنا بالکل صحیح ہو گا کہ کسی کا ساتھ دینا اوس کا دین یا خدامِ دین پر احسان نہیں ہے بلکہ یہ خود اوس پر خدائی احسان ہے کہ گو اوسکی اس محکمہ میں ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی بلا ضرورت اوس کو جگہ دیدی گئی اور تنخواہ و اُجرت یعنی ثواب و قبول بقدر ادفی دیگئی یہ ہی معنی ہیں اس ارشاد کے یمنون علیك ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان اِن کنتم صٰدقین اور اسی کا ٹھیک ترجمہ ہے ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمیکنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

یہ مدلولات و مفہومات ہیں آیت و حدیث مذکورین کے اور اسی جماعت کی بعض اہم اوصاف و خدمات و القاب کی مختصر تعیین و مجمل تبیین حضرت مولانا شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے اپنے اس قول میں فرمائی ہے۔ "المعتنین بتعلیم الشرائع والقرآن والسنن والآمرین بالمعروف والناہین عن المنکر والذین یحصل بکلامھم نصرۃ الدین اما بالمجادلۃ کالمتکلمین او بالموعظۃ کخطباء الاسلام او بصحبتھم کمشائخ الصوفیۃ الذین یقیمون الصلوۃ والحج والذین یدلون علی طریق اکتساب الاحسان والمرغبون فی التمسک والتزہد والقائمون بہذا الامر ھم الذین نسمیھم بالخلفاء الباطنین۔ اس عبارت میں اس جماعت کے یہ اوصاف ہیں معلم الشرائع والقرآن والسنن۔ آمر بالمعروف و ناہی عن المنکر ناصرِ دین بالکلام الملفوظی او المکتوبی"۔ اور یہ خدمتیں ہیں علاوہ اُن خدمات کے جو اوصاف مذکورہ سے ماخوذ و مفہوم ہیں مجادلہ و کلام۔ وعظ و خطبہ۔ ہمت بالصحبت تہذیب نفس و تحصیل نسبت اور اخیر میں لقب ہے یعنی خلفاء باطنین۔

میرا اسوقت کا مضمون کوئی جدید دعوئی نہیں ہو گا بلکہ قرآن مجید کی اسی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حدیث اور شاہ اولیاء کی اسی عبارت کی کچھ شرح اور تفصیل ہو گی

جیسی ہے وہ ہر طرح قابل قبول اور لائق توجہ و عمل ہوگی وان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ۔

اس آیت اور اس روایت اور اس عبارت میں چند احکام ہیں اور بعض احکام میں کچھ اجزا ہیں ہر حکم اور ہر جزو پر مختصر عرض کرنا ضروری ہے ۔ **حکم اول** بقاء دین ان امور پر موقوف ہے علم تفسیر ۔ علم تجوید و قراءۃ ۔ علم حدیث ۔ علم اصول حدیث ۔ علم عربیہ صرف و نحو و لغت و بلاغت علم فقہ ۔ جسمیں فرائض و علم اخلاق و تصوف بھی داخل ہے ۔ علم اصول فقہ ۔ علم کلام ۔ علم قول شارح و حجت اصول مناظرہ اور جو علوم ان کے مقدمات یا متممات ہوں انکی تکمیل میں اہل مدارس مشغول ہیں ۔

وعظ جو مساجد و مجالس عامہ میں دیکھا جاتا ہے ۔ تربیت اخلاق و سیاسات نفس جو خانقاہوں میں پایا جاتا ہے ۔

اس حکم میں چند اجزاء ہیں **جزو اول** وجہ توقف اور علوم پر ظاہر ہے کیونکہ دین میں کل دو امر مقصود ہیں تصحیح عقائد و اصلاح اعمال ۔ ان اعمال میں اعمال جوارح اور اعمال قلب دونوں داخل ہیں اور اعمال جوارح میں دیانات و معاملات دونوں داخل ہیں اور معاملات میں حقوق مالیہ اور معاشرت دونوں داخل ہیں ۔ قرآن و حدیث انکی تعلیم میں اصل ہے پھر قرآن مجید کے توضیح مغلقات و تعیین مبہمات و مشترکات و امثال ذلک میں لغات و روایات کاشفہ اسباب نزول کی حاجت ہوئی اس مجموعہ کا نام **علم تفسیر** ہے ۔ اور چونکہ قرآن لغت عربی میں ہے اس سے **علوم عربیہ** ادبیہ و لغات کی احتیاج بھی ثابت ہوگئی اور حدیث چونکہ بجمیع اجزائہ متواترۃ الالفاظ نہیں ہے اس لئے اس کی تنقید و تمیز کیلئے علم اصول روایت کہ **فن رجال** بھی اس کے تابع ہے ضروری ٹھہرا اور چونکہ بعض احکام صریح الفاظ قرآن و حدیث کے مدلول نہیں اسلئے سلف صالح نے غیر منصوص کے احکام کو منصوص سے اخذ و استنباط کرنے کیلئے خود قرآن و حدیث سے قواعد صحیحہ سمجھکر اُن کو خود بھی استعمال کیا اور اپنے اصحاب پر اسکو القاء و املاء فرمایا اس سے **فقہ** کہ علم احکام مستنبطہ ہے اور **اصول فقہ** کہ علم قواعد استنباط احکام ہی حاصل ہوا ۔

پھر چونکہ ہر زمانہ میں عامۂ ناس تحصیل علوم بدرجۂ تکمیل کیلئے فارغ نہیں ہوسکتے اس لیے اون کے افادہ کا سہل طریق خطبہ یعنی **موعظت عامہ** قرار پایا اور چونکہ بعض اعمال نفس پر کسیقدر شاق ہیں جنمیں کوتاہی بعید نہیں نیز بعض اعمال میں بعض غامض خرابیاں بھی ہیں جنکا فروگذاشت ہوجانا عجیب نہیں اسلیئے اول کے تدارک کیلیئے بالاستقلال علوم مذہبی کی کہ علم اخلاق ہے اور ثانی کی تلافی کے لئے یہ سمجھکر کہ انسان بنی نوع کے حال سے بہت متاثر ہوتا ہے صحبت اہل تہذیب کی ضرورت ثابت ہوئی یہ انتظام تو اندرون حدود کا ہے۔

چونکہ ہر مقصود الابقاء چیز کیلیئے اندرونی انتظام کے ساتھ بیرونی حفاظت کی بھی ضرورت ہوتی ہے دین اسلام بھی اس قاعدہ سے مستثنے نہیں ہوسکتا اسلیئے بیرونی حملات مذہبی کی مدافعت بھی ایک لابدی امر ٹھہرا اسکے لئے علوم مجادلہ و **کلام** کی ضرورت قرار پائی اور چونکہ بعض مدافعات میں مخالف کے مذہب پر بھی نظر کی ضرورت ہوتی ہے اس ضرورت سے بھی اور نیز خود احقاق حق و ابطال باطل کی غرض سے بھی جو کہ اشاعت اسلام کیلئے موقوف علیہ ہے اور یہ اشاعت خود مامور بہ اعظم ہے بعض اوقات دوسرے **مذاہب** پر مطلع ہونا ضروری ہوتا ہے۔ بعض غیر مقصود علوم کی تحصیل اس مرتبہ میں مقصود بالغیر ہوگی نیز اثبات امور واجبۃ الاثبات اور نفی امور واجبۃ النفی میں کچھ عقلی قوانین کی حاجت ظاہر ہے اس بناء پر بعض **علوم آلیہ** عقلیہ محتاج الیہ ہونگے۔

اور چونکہ شریعت نے قرآن مجید کے الفاظ کے ساتھ بالذات بھی اعتناء فرمایا ہے بضرورت حفاظت بھی اور بمصلحت ثواب تلاوت بھی اسلیئے تجوید و قراءت بھی واجب الاہتمام ہوا اس تقریر سے اجمالاً تمام علوم ضروریہ بالذات و بالغیر کی مختصر فہرست معلوم ہوگئی اور ساتھ ساتھ ان سب پر بقاء دین کا توقف عقلی عادی بھی معلوم ہوگیا۔ اور بقیہ امور پر توقف آگے جزو دوم میں مذکور ہوگا۔

جزو دوم۔ عام لوگوں کو جو کہ علوم مذکورہ میں بوجہ عدم فراغ مہارت نہیں پیدا کرسکتے ضروریات دین پر اطلاع ہونے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ خود انکو اسکی حاجت محسوس ہو اور احساس کے ساتھ طلب و رغبت بھی ہو اور اس وجہ سے وہ کسی ماہر عالم کے پاس قصد کرکے

بتادیں اور سوال کرکے جواب حاصل کریں یہ استفتاء و افتاء ہے۔

دوسرا طریق یہ ہو کہ یا تو انکو حاجت کا احساس ہی نہ ہو یعنی مثلاً انکو اپنے کسی فعل کے متعلق کوئی شبہ ہی نہ پیدا ہوا اسلئے انکی نسبت سوال کی حاجت نہ سمجھیں یا احساس ہو مگر جاذبہ عمل و تقویٰ کا تقاضا نہ ہوا اسلئے پوچھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھیں اور اسلئے انکو علماء خود ابتداءً خطاب کرکے متنبہ و متوجہ کریں۔

اور چونکہ غفلت اکثر میں غالب ہے اسلئے علماء کو اجازت نہ ہوگی کہ عوام سے پہلے طریقہ کے منتظر رہیں بلکہ دوسرے طریقہ کا اختیار کرنا خود ان پر ضروری ہوگا اس سے مواعظ و خطبات عامہ کا محتاج الیہ بقاء دین کا ہونا ظاہر ہوا۔

جزوِ سوم تحصیل علم کی غایت عمل ہے اور اعمال میں عموماً جذبات باطنہ محمودہ کا سخت دخل ہے اور ان جذبات کے ساتھ دوسرے جذبات نفسانیہ جنکی بناء بعض منافع دنیویہ کا جلب یا بعض مضار دنیویہ کا دفع ہے اکثر اوقات مزاحمت کرتے ہیں اور بوجہ ان جذبات نفسانیہ کے اوفق بالمزاج و عاجلہ ہونیکے اکثر یہی غالب آجاتے ہیں اور اسکے مغلوب کرنے اور جذبات محمودہ کے غالب کرنے کیلئے صرف ایک ہی چیز کام دینے والی ہے یعنی ہمت بمعنی عزم مصمم۔

اور تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بہت کم طبائع ایسی ہیں کہ حالت انفراد میں انکے عزم کو تصمیم ہوجاوے اسلئے اکثر کیلئے اسکی سخت حاجت ہوگی کہ وہ کسی صاحب عزم مصمم کے ساتھ چندے مجتمع رہے کہ اسکے عزم کو دیکھ دیکھ کر اسکے عزم میں تصمیم پیدا ہو اور پھر بعد راسخ ہوجانے ملکہ کے مفارقت اور انفراد بھی مضر نہ ہوگا اور اس مصلحت تصمیم عزم کے ساتھ ہی دوسرے منافع و مصالح بھی مثل اطلاع کے دقائق مکائد نفس پر اور تطہیر اعمال کے شوائب اغراض فاسدہ سے اور ایک وجدانی و ذوقی تعلق پیدا ہوجانے کے حق تعالیٰ کے ساتھ وغیر ذلک بھی انکی صحبت سے میسر ہوتے ہیں۔

اس سے ضرورت مفہوم ہوگئی ہوگی حضرات مشائخ صوفیہ کی صحبت میں چندے رہکر انکے ارشادات پر عمل کرنیکی۔ اور یہ ضرورت مشترک ہے خواص و عوام یعنی علماء و غیر علماء سب کے درمیان میں۔

پس حکم اول کے ان اجزاء ثلثہ میں بقاء دین کا توقف جمیع امور مذکورہ پر ثابت ہوگیا اور یہی مدعا تھا۔ اور یہ حکم آیت کے ان جملوں میں یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر

اجمالاً اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت میں تفصیلاً موجود ہے جو اُسی اجمال کی تفصیل ہے چنانچہ
دُعاء الی الخیر و امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ان سب پر منطبق ہوجانا اہل علم پر مخفی نہیں ہے
حکم دوم - ان علوم کی تحصیل کے دو درجے ہیں ایک مجموعہ مقاصد و آلات کا مع اُن کے
ساتھ جمع کرنا دوسری صرف مقاصد پر اور اسمیں بھی ہر وقت کے اقتضاء کے موافق ضروری مقدار
پر پھر دوسرے وقت پر اُسوقت کے اقتضاء کیموافق ضروری مقدار پر اکتفا کرنا۔

اور ظاہر ہے کہ درجۂ اول کیلئے ہر اُمتی فارغ نہیں ہے اسی لئے اسلام کے کسی دور میں بھی
کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہر ہر واحد اس درجہ کا جامع ہوا ہو البتہ ہمیشہ یوں رہا ہے اور اب بھی یہی
ہوسکتا ہے اور اتنا ہی ہونا کافی بھی ہے کہ دوسرا درجہ عام رہے اور پہلا درجہ خاص جماعت
کے ساتھ خاص رہے مگر وہ جماعت ہر جگہ شمار میں اتنی ہو کہ اُس جگہ کی ضروریات دینیہ
کیلئے کافی ہوسکے پہلے درجے کے لوگوں کو عوام یا طلبہ کہا جاویگا دوسرے درجے کے لوگوں کو
خواص یا علماء لقب دیا جائیگا۔

آیت میں اُمّۃٌ الخ اور حدیث میں طائفۃ الخ اور شاہ صاحب کی عبارت میں خلفاء باطنین
اسی جماعت خواص کے اوصاف ہیں جیسا کہ دوسرے درجہ کا ایک اور آیت میں بعنوان الناس
اور ایک اور حدیث میں بعنوان مسلم و مسلمۃ ذکر ہے۔ آیۃ یہ ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس
حدیث یہ ہے طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ۔ نیز صدر کی آیت و حدیث
بھی اس درجہ کے ذکر سے خالی نہیں آیت میں یدعون کا مفعول مقدر اور حدیث میں لفظ اُمتی
کے مصداق کا (جو کہ مِن کا مجرور ہی) بقیہ اس سے عبارت ہے۔

حکم سوم - جس جماعت کو علماء و خواص سے اوپر ملقب کیا گیا ہے اور جسکو قرآن و حدیث
میں اُمۃ داعیہ الی الخیر اور طائفہ منصورین فرمایا گیا ہو اس جماعت کا قائم ہونا اور ہمیشہ قائم رہنا
مقاصد شرعیہ اور واجبات دینیہ سے ہے چنانچہ قرآن میں ولتکن صیغۂ امر اس وجوب پر دلالت
کرنیکے لئے کافی ہے تو بعد انضمام حکم دوم ایک ایسی جماعت کا جنمیں علماء مفسرین و محدثین و
فقہاء و اصولیین و متکلمین و خطباء و صوفیہ ہوں قائم کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہوا اور
بعد انضمام حکم اول بقاء دین کا اس جماعت علماء پر موقوف ہونا ثابت ٹھہرا۔

تجربہ متعلقہ تکمیل و تسہیل حکم سوم ۔ اسمیں کلام زیادہ طویل کرنیکی حاجت نہیں زمانے کے اسباب
اتفاقیہ نے تجربہ و مشاہدہ کرا کر اسکے تسلیم کرلینے پر بلا شبہ مجبور کردیا ہے۔ کہ اس شان کی جماعت
علماء کی جسکا اوپر ذکر ہوا ہے تیاری کی تکمیل موقوف عادی ہوگئی ہے اسباب خاصہ کے جمع ہونے پر۔
اُن اسباب کا خلاصہ آئندہ کی مختصر سطور سے سمجھ میں آجاویگا وہ یہ کہ جابجا اسلامی علوم کی کفالت کیلئے
مدارس ہوں اور اُن میں علوم دینیہ کا درس ہو اور اُن کا ایسا نظم ہو کہ اُنکے محصلین میں ایسے کاملین
کی جماعت پیدا ہو جو مذکورۂ بالا خدمات دین کیلئے بالکل کافل و کافی ہوں۔

اور چونکہ مشاہدہ ہے کہ ہر مدرسہ میں کاملین تیار ہونیکا نہ سامان ہے اور نہ مسلمانوں کی حالت
سے یہ اُمید ہے کہ ہر ہر مدرسہ میں اتنا سامان مہیا کرسکنے کے وہ متحمل ہوسکیں اسواسطے یہ ضرور ہوگا کہ
بعض مدرسے ایسے ہونے چاہئیں۔

پھر وہ اگر متعدد ہوں اور ایک کا دوسرے سے کوئی ارتباط و اتساق نہ ہو تو اس صورت میں تجربہ ہی
اس ماننے پر مجبور کرتا ہے کہ بوجہ اسکے کہ طبائع میں استبداد و انفراد غالب ہے بہت جلد ایک دوسرے
کے گھٹانے یا مٹانے کی فکر میں پڑکر دونوں ہی اس اثر سے متاثر ہونگے اور کوئی بھی کامیاب ہوگا۔!

اور اگر باہم کوئی ارتباط ہو تو اگر تساوی کے ساتھ رہے تو اس پر بھی تجربہ ہی شہادت دینے کیلئے
تیار ہے کہ محض تساوی کے ساتھ وہ ارتباط رہ نہ سکیگا چنانچہ قدرتی یہ ہی راز ہے بنی آدم میں باوجود
تشارک نوعی کے عقلاً و نقلاً تشارک حکمی کے جائز نہ ہونیکا اور بالاضطرار ایک کے فرمان روا ہونے
اور لاکھوں کروڑوں اُسی فرمان روا جیسے ہاتھ پاؤں رکھنے والوں کے زیر فرمان ہونیکا۔

اور اگر تساوی کے ساتھ نہ ہو بلکہ ایک کو دوسرے کا تابع بنایا جاوے تو اُس کا حاصل یہ ہوا کہ اگرچہ
مذہب کے علما تیار کرنیوالے متعدد مدارس بھی ہوں تب بھی ان سب کا مرکز اور صدر اور متبوع اور
قطب الرحی ایک ہی مدرسہ ہونا چاہئے۔!

اور جب ایک کی مرکزیت کی ضرورت تسلیم کرلیگئی تو اب اس خصوص میں گفتگو کرنا کہ پھر ایسے
مدارس متعدد ہوں یا ایک ہو قبل از وقت اور فوق از منصب تسلیم کنندۂ مرکزیت کے ہے کیونکہ
جب ایک کو مرکز مان لیا تو اب اسکا فیصلہ اُس مرکز ہی میں ہوجائیگا ممکن ہے کہ وہ مرکز مجموعی حالات
داخلیہ و خارجیہ پر نظر کرکے سردست ایسے مدرسہ کا ایک ہونا اور آئندہ ضرورت و مصلحت و وسعت کے

بنا پر متعدد ہونا مناسب قرار دے اسوقت تو مقصود اعظم اسکا تسلیم کرلینا تھا کہ مرکز ایک ہی مدرسہ ہونا چاہیے سو وہ مسلم ہو چکا۔

پس حاصل اُن اسباب موقوف علیہ تکمیل اعداد جماعت مذکورہ کا یہ ہوا کہ مثلاً ہم لوگوں کیلئے ہندوستان میں ایک ایسا مدرسہ مرکزیہ تجویز کیا جاوے کہ تمام مدارس اسلامیہ اُسکے تابع ہوں اور ہر مدرسہ کا درس اُس مدرسہ مرکزیہ کی رائے سے معین کیا جاوے اور ان مدارس کے محصلین جب اُس درس سے فارغ ہو جاویں تو اس مدرسہ مرکزیہ میں تکمیل کیلئے آجاویں اور تکمیل سے مراد درسیات متعارفہ کا پورا کرنا نہیں یہ تو اُن مدارس فرعیہ میں سے بھی بہت سے مدرسوں میں رہ سکتا ہے اور خود اس مدرسہ مرکزیہ میں بھی مثل دیگر مدارس کے یہ نصاب بھی رہنا چاہیے۔

بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے اکابر کا طریق تھا کہ باوجود جامعیت کے زیادہ توجہ ہر محصل کے مناسبت طبیعت و موافقت مذاق کے لحاظ سے کسی خاص فن کی طرف کیجاتی تھی اور یہ ہی وجہ تھی کہ سب کامل ہی ہوتے تھے اور گو قدرتی طور پر اب بھی یہ طریقہ جاری ہے کہ بعد تحصیل نصاب متعارف کے سب کی توجہ الگ الگ خاص خاص فنون کی طرف ہو جاتی ہے۔

لیکن بڑا فرق ہے اسمیں کہ توجہ ہو اور سامان نہ ہو یا کم ہو اور اسمیں کہ توجہ ہو اور سامان بھی پورا ہو اکابر کے پاس اگر سامان میں کچھ کمی ہوتی تھی تو وہ اپنی جد و جہد و صبر و مشقت و نیز فطری اصابت فہم سے اُسکی تلافی کر لیتے تھے اور اب یہ جزو ما بہ التلافی خود کمیاب ہوتا جاتا ہے و نیز اُسوقت دوسرے مذاہب و ملل والے بھی ایسے ضوابط سے کام نہ لیتے تھے اسلئے اہل حق کو بھی اسکی ضرورت نہ تھی اب ایک تغیر یہ بھی ہو گیا ہے اسلئے بہت ضروری ہے کہ جس کی مناسبت جس علم سے دیکھی جائے اُسکو اُس علم کی کتابیں زیادہ مقدار میں دی جاویں اُس علم کے ماہر اساتذہ کی صحبت میں اُسکو چندے رکھا جاوے اُسکی ضروریات کی کفالت کیجاوے تاکہ فراغ کے ساتھ ترقی و مہارت حاصل کر سکے تکمیل سے ہماری یہ مراد ہے ایسی تکمیل کیلئے اُس مدرسہ مرکزیہ میں ایک درجہ ہونا چاہیے۔

ایسے مدرسہ کا لقب پہلے سے عام و خاص کی اصلاح میں **دار العلوم** ہوتا ہے۔ اور ایسے اس درجۂ خاص کا نام جسمیں اس طور پر تکمیل ہو **درجۂ تکمیل**۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ایسی جماعت خادم دین کی تیاری کیلئے ایک اسلامی

دار العلوم کی کہ مرکز المدارس ہو اور اُس دار العلوم میں درجۂ تکمیل کی ضرورت ہے پس اس بنا پر
بمقتضائے حکم سوم بانضمام مقدمۃ الواجب واجب۔ مسلمانوں پر اس دار العلوم کا قائم کرنا واجب ہے
اور اگر اس مجموعی سامان کو اس مقصود کی تکمیل کا موقوف علیہ بھی مانا جاوے اور دعوی کیا جاوے
کہ بدون اسکے بھی مقصود کی تکمیل ہوسکتی ہو تاہم اسمیں تو شبہ ہی نہیں کہ اس سامان سے مقصود
میں سہولت تو ضرور ہے پس اگر مقصود کی تکمیل کا موقوف علیہ نہ بھی ہو لیکن اُس تکمیل کی تسہیل کا
موقوف علیہ تو ضرور ہے اور حدیث میں سنت نبویہ مصرح ہے ماخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بین امرین الا اختار ایسرھما پس اگر ایسا دار العلوم بنانا واجب نہ ہوگا تو سنت ہونے میں تو شبہ ہی نہیں
اور یہ احتمال سنیت کا اسوقت تبرعاً و تنزلاً منوانے پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ بطور پیشین گوئی
(کشفاً بلکہ فراسۃً) کہتا ہوں کہ مسلمانوں پر جو زمانہ آرہا ہے اُسکو دیکھنے کے وقت آج وجوب کا
انکار کرنیوالے انشاء اللہ تعالیٰ اُسکو فرض کہتے ہوئے نظر آوینگے اور اُسوقت ایسے
دار العلوم کا قائم کرنا محال تو نہیں مگر غالباً دشوار ضرور ہوگا۔

کیونکہ جس شان کے محققین و متدینین علماء میں اسوقت موجود ہیں ظاہراً آیندہ کمی ہی ہوگی
جیسا اسوقت پہلے سے کمی ہے اور ظاہر ہے کہ جسقدر سامان میں کمی ہوتی ہے مقصود میں دشواری
ہوتی ہے اور روح ایسے دار العلوم کی معلمین محققین ہی ہیں اور باقی سامان اس روح کا جسد۔
اے مسلمانو خوش ہو جاؤ کہ جو کام سب کے ذمہ سنت تھا یا واجب یا آیندہ کی حالت قریبہ دیکھکر
فرض۔ وہ آپ سب کی طرف سے ایک مختصر مگر برگزیدہ جماعت نے شروع کر دیا ہے یعنی ایک مدرسہ کو
اسی شان کا دار العلوم بنانا قرار دیدیا ہے۔ یہاں تک تو امید ہے کہ سب کے نزدیک پہلے سے مسلم یا اب واجب التسلیم ہوگا
اب صرف کلام اسکی تعیین میں رہا مگر قبل اُسکی تعیین کے مستحسن بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن خواص و
اوصاف میں بحث کیجاوے جو دار العلوم کیلئے شایاں ہیں اس سے تعیین میں بھی سہولت ہوگی سو میرے
نزدیک بلکہ جو صاحب ذرا بھی غور و انصاف و تحقیق سے کام لینگے اُنکے نزدیک بھی ایسے دار العلوم
کیلئے ان اوصاف کی ضرورت ہے :-

(۱) وہ خالص مذہبی مدرسہ ہو یعنی دنیا کا نہ اسمیں غلبہ ہو نہ خلط ہو کیونکہ اگر غلبہ ہے تو احکام و
آثار میں حکماً و وقوعاً اعتبار غالب کا ہوتا ہے اسلئے وہ دنیوی مدرسہ ہوگا اور گفتگو ہے مذہبی دار العلوم میں

اسلئے دنیوی مدرسہ مذہبی دار العلوم نہیں ہو سکتا اور اگر دنیا کا خلط ہو تو تجربہ سے طے ہو چکا ہے کہ کہ دنیا بوجہ عاجل ہونیکے نفوس کو جلدی اپنی طرف مائل کرتی ہو تو دنیا و دین کا جامع بنانا مآل کار دنیا دار بنانا ہو تو ایسا مدرسہ بھی دنیوی مدرسہ ہوگا جو مذہبی دار العلوم نہیں بن سکتا۔

دوسری غرض دار العلوم سے خادمان مذہب کا پیدا کرنا ہے اور خدمت مذہب کیلئے صرف تحصیل علوم ہی کافی نہیں بلکہ اسکے لیے سخت ضرورت ہے تقدس و تعشق دین و خلوص و للہیت و توکل و قناعت و تواضع و انکسار و تحمل مشاق و مصاعب کی اور خلط دنیا کے ساتھ یقینی اور مشاہد ہے کہ یہ صفات پیدا نہیں ہو سکتیں نیز ان صفات کے پیدا ہونے میں ان اوصاف والوں کے صحبت طویلہ کو اور صحبت بھی بلا شرکت انکے اضداد کے بڑا دخل ہو اور خلط کی صورت میں یا تو ایسی صحبت ہی میسر نہ ہوگی یا اگر ہوئی تو بوجہ خلط بالدنیا کے انکے اضداد کی معیت ان آثار کو ضعیف کرتی رہیگی غرض ایسی جگہ کی آب و ہوا دینی و مذہبی نہیں ہو سکتی اور بدون اسکے یہ اوصاف نہیں پیدا ہو سکتے اور بدون ان اوصاف کے کوئی خادم دین نہیں بن سکتا تو ایسے مخلوط مدرسہ سے خدام دین نہیں پیدا ہو سکتے اسلئے وہ دار العلوم بھی نہیں بن سکتا۔

(۲) اُس مدرسہ میں اساتذہ محققین و مشائخ کاملین کافی مقدار میں مجتمع ہوں کیونکہ غرض دار العلوم سے ایسے ہی لوگوں کا پیدا کرنا ہے تو اگر وہاں علماً و عملاً اہل کمال نہ ہوئے یا ہوے مگر کم مقدار میں ہوئے تو ایک صورت میں نفس غرض اور دوسری صورت میں غرض کی مقدار کافی و محتاج الیہ مرتبے حاصل نہ ہوگی۔

(۳) وہاں سرمایہ کتب و مساکن و مطاعم و ملابس طلبہ کیلئے کافی مقدار میں ہو کیونکہ یہ سب موقوف علیہ ہیں غرض مقصود کے اور یہ ظاہر ہے۔

(۴) عام مسلمانوں کے دلوں میں اُسکی وقعت اور میلان اور اُسکے کارکنوں پر وثوق و اعتبار ہو کیونکہ یہ دار العلوم لابد محتاج ہوگا مسلمانوں کی امداد کا اور امداد کیلئے یہ امور عادۃً موقوف علیہ ہیں۔

اب بعد اثبات ضرورت ان اوصاف کے آگے دو صورتیں ہیں یا تو کوئی نیا مدرسہ اس شان کا ہو یا مدارس قدیمہ میں سے کسی مدرسہ کو اس درجہ پر پہونچا دیا جاوے فی نفسہ تو دونوں صورتیں ایک ہی درجہ میں تحصیل غرض کیلئے مساوی ہیں لیکن اندرونی اور بیرونی اسباب پر نظر کرنے سے ایسا جدید مدرسہ قائم کرنا دشواری سے خالی نہیں۔

اندرونی اسباب تو یہ کہ اُس جدید مدرسہ کیلئے اس درجہ کے علماء و مشائخ جو کہ فارغ ہوں
کہاں سے آوینگے اور اتنے مشغولین کا فارغ ہوجانا یہ کوئی سہل بات نہیں۔ اور بیرونی اسباب
یہ کہ اتنے سامان فراہم کرنے کیلئے جسمیں سب سے پہلے ایک بہت بڑا مکان اور ایک بہت بڑا کتبخانہ
ہو گا قبل کام شروع ہونیکے لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہوگی جسکے لئے مسلمانوں کو ہم تیار نہیں
پاتے خاصکر اسوجہ سے بھی کہ اسوقت وہ خیال محض فرضی و ہوائی ہو۔ انسان طبعاً آنکھوں
کے سامنے کی موجودہ کام کی صورت کی طرف منجذب ہوا کرتا ہے۔

غرض ان بیرونی و اندرونی اسباب کی دشواری جدید مدرسہ کے کاربرآری کی متوقع نہیں ہونے
نے لامحالہ دوسری شق متعین ہوگئی کہ کسی قدیم مدرسہ ہی کیلئے معراج ترقی پر پہونچانا تجویز کیا جاوے۔
اب یہ بات کہ قدیم مدارس میں سے وہ مدرسہ کونسا مدرسہ ہو تو بعد معلوم ہوجانے ان خصوصیات
مدرسہ کے جو دارالعلوم کیلئے شایاں ہیں جنکا اوپر چار نمبروں میں ذکر کیا گیا ہے اس سوال کے جواب
میں میرے کسی دعوے کی ضرورت نہیں ہر صاحب نظر فیصلہ کرسکتا ہے کہ جس مدرسہ میں وہ
خصوصیات ہوں وہی اس تخصیص کیلئے احق ہو اور اس کا دیکھ لینا بھی کچھ دشوار نہیں کہ وہ
ان مدرسہ ہو جسمیں ان خصوصیات کا اجتماع محسوس و بیّن ہے۔

شاید اب بھی کسی کو اس مصلحت سے کہ بعض طبائع کو بعد تسمیہ کے تطبیق میں غور کرنا سہل ہوتا
ہے اس مدرسہ کے نام سننے کا انتظار ہو سو جو مدرسہ میرے نزدیک اس شان کا ہو اسمیں میرا
تفصیل درسیات کرنا اُسکا گو نام لینے سے عرفاً مانع ہو کہ وہ نام لینا کہیں اس پر محمول نہ کیا جاوے
جسکا کھائیے اُسکا گائیے مگر یہ مانع اتنا قوی نہیں جسقدر مقتضی تسمیہ کا کہ شرع اور عقل ہر دو قوی ہے
اسلئے حدیث الدِّيْنُ النصيحة پر نظر کرکے اُس مدرسہ کا نام بلا کسی لقب کے بتلائے دیتا ہوں۔
اس کا نام ہے مدرسہ دیوبند۔

اور بلا لقب اسلئے بتلایا گیا کہ جس کا نام ہی سننے سے اُسکے تمام اوصاف و کمالات مثل لازم
کے سب نظروں میں پھر جاتے ہوں اُسکا نام ہی لقب ہے پھر لقب بڑھانا تحصیل حاصل ہے
عجائب ہے کہ یہی قدرتی راز ہو اسکا کہ اسوقت بہت کم مدارس ایسے ہونگے جنکا کوئی نہ کوئی
لقبی نہ ہو بجز مدرسہ دیوبند کے کہ اوّل سے اسوقت تک اُسکا کوئی علم لقبی ہوا ہی نہیں۔

صرف "مدرسہ دیوبند" کہا جاتا ہے۔ ولنعم ما قیل۔

زعشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است — بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

وقیل۔ دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند — دلبرِ ماست کہ با حسنِ خدا داد آمد

وقیل۔ حسن الحضارۃ مجلوب بتطریۃ — وفی البداوۃ حسن غیر مجلوب

اور اُسکی ایک روشن اور پاک نظیر یہ ہے کہ اُمت میں جتنے اکابر سلف گذرے ہیں باوجود اُنکے اکمل الائمۃ مانے جانے کے آج اُنکا نام کس سادگی واختصار سے بلا انضمام بڑے لمبے چوڑے لقبوں کے لیا جاتا ہے کسی کو یہ کہتے نہ سُنا ہوگا۔ جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول حضرت مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ مولوی ابوحنیفہ وکذا وکذا۔ اکثر تو صرف ابوحنیفہ کہا جاتا ہی اور اسی میں محبت وعظمت کا وہ لطف آتا ہی کہ بڑے بڑے القاب وآداب میں نہیں آتا اور جو کسی کا بہت ہی شوق ہوا تو امام کا لفظ بڑھا دیا جیسا بعینہ اسی طرح چند روز سے خود بخود لوگوں کے السنہ پر مدرسہ دیوبند کے ساتھ "عالیہ" کا لفظ اطلاق کیا جانے لگا ہے۔

یہ ایک مضمون بطور جملہ معترضہ کے لفظ "بلا لقب" کی توضیح میں بڑھ گیا جسکی ناظرین سے معافی چاہتا ہوں! بالجملہ وہ مدرسہ جو بوجہ جامع خصوصیات بالا ہونیکے دار العلوم ہونیکے لائق ہے مدرسہ دیوبند ہے چنانچہ اُس کا دار العلوم ہونا بفضلہ تعالیٰ طے ہوگیا ہے۔

۱ اور اُسکا سب سے پہلا قاعدہ جو کبھی متغیر ومتبدل نہ ہوگا نہایت اہتمام والتزام کے ساتھ یہ منظور ہوا ہی کہ اس دار العلوم کے افسر اعلیٰ اکابر علماء اہل حق کی ایک خالص مذہبی جماعت ہوگی اور تمام منتظمین پر اُنکا ہر حکم بلا مزاحمت وبلا معارضۂ کثرت رائے وبلا تفتیش وجوہ وعلل فیصلۂ ناطق سمجھا جاویگا اور اس جماعت کا لقب الجماعۃ القاسمیۃ تجویز کیا گیا ہے۔

اور مدرسہ موصوفہ کا اِن خصوصیات کا جامع ہونا فلسفی مزاجوں کے نزدیک خواہ کسی سبب ظاہری سے ہو مگر ہمارا تو یقین اور اعتقاد ہے کہ اُسکا سبب صرف ایک امر باطنی ہی وہ یہ کہ وہ ایسے مقبولان الٰہی کا بنا کردہ ہی جن پر اصاغر تو کیا اُنکے اکابر بھی فخر کرتے تھے بقول کسی صاحب ذوق کے

شاباش آں صدف کہ چناں پرورد گہر — آبا از و مکرم وابناء عزیز تر۔ اور

بانی کی برکت کا موجب ترقی اصلی ہونا ایک عارف کی شہادت میں مصرح بھی ہی وہ مولوی رومی ہیں

یقول کعبہ را ہر دم تجلی میفزود   این ز اخلاصات ابراہیم بود + اور یہ
میرا نام لینا اس غرض سے نہیں کہ میرے نام لینے ہی سے میرے دعوے کو مان لیا جاوے یہ
نام لینا تو صرف اُن لوگوں کے استفسار کے جواب میں تھا جنکو تطبیق اوصاف میں نام لینے سے
سہولت ہوتی ہو باقی اصل مدار اس دعوی کا ان خصوصیات کا منطبق ہونا ہی سو میں درخواست
کرتا ہوں کہ میرے نام لینے سے قطع نظر کرکے خود سب حضرات نمبروار غور فرمالیں کہ مجموعہ اوصاف
کا جامع اسوقت کون مدرسہ ہے۔

وصف اوّل نے تو تمام مدارس اسلامیہ خالصتہ کو شریک رکھکر خالص دنیوی اور دینی دنیوی
مخلوط مدارس کو مستثنے کردیا ان پر کسی طرح اسکا احتمال ہی نہیں ہوسکتا اور اسوقت یہ مسئلہ
ضروری البحث نہیں کہ وہ اپنے اپنے غرض موضوع لہ میں کیسے ہیں یا کون کامیاب ہے کون نہیں ہے
اور پھر ہوسکتا ہی یا نہیں اسوقت تو صرف یہ کہا جاتا ہی کہ وہ خالص مذہبی دار العلوم نہیں بن سکتے
اور اگر وجدانِ ذوق صحیح کے ساتھ مشاہدہ سے کام لیا جاوے تو صرف مشاہدہ اس دعوی کی کافی
شہادت دے سکتا ہے۔

اور وصف دوم وسوم نے بہت سے معمولی مدارس کو مستثنے کردیا جہاں کمالی اور مالی ذخیرہ کم
ہی اور خاص خاص مدارس شریک رہی گو بطور کلی مشکک قلت وکثرت کے تفاوت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔
لیکن وصف چہارم نے بقیہ شرکا سے بھی مدرسہ دیوبند کو ایسا امتیاز دیا ہے کہ س
آفتاب آمد دلیل آفتاب   گر دلیلت باید از وے رو متاب
عام اہل اسلام اپنے ہی قلوب کو ٹٹول لیں کہ اس مدرسہ کی طرف کسقدر کشش و رجحان او
اسکی خدمت کرنے میں اطمینان کے ساتھ کسقدر نشاط ہوتا ہی اور اگر کسی عارض سے کشش اور نشاط
نہیں ہے تو یہ دیکھ لیں کہ وقعت اور عظمت کسقدر ہی غرض اگر ایک کے نزدیک محبوب ہی تو دوسرے
کے نزدیک معظم۔ کیا اسکو دیکھکر ہم "انتم شہداء اللہ فی الارض" سے استدلال نہیں کر سکتے۔
اب اُمید ہی کہ میرے اس دعوے کے صدق وصحۃ میں کسی کا اختلاف نہ رہیگا۔ میں بقسم
کہتا ہوں کہ فی ھذہ الدعوی ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

حکم چہارم۔ اس جماعت کی جب کہ وہ موجود ہو اعانت اور آیندہ اسکے قائم کرنیکے اہتمام
کرنیوالوں کی اعانت اور بعد اعتبار تجربہ متضمنہ حکم سوم بعنوان دیگر ایسے دار العلوم کی اعانت و

امداد عامہ اُمت پر ضروری ہے چنانچہ ولتکن سے اس جماعت کے قیام کا وجوب اور مشاہدہ سے اس قیام کا اعانت عامہ پر توقف یہ اس وجوب اعانت کیلئے کافی دلیل ہے۔

اور کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ جب حدیث لایزال الخ سے وجود تکوینی اس جماعت کا ثابت ہوتا ہے جیسا ابتدائی مضمون میں اس حدیث کے ذیل میں بیان ہوا ہے تو بعد تکفل حق تعالےٰ کے خلق کے تکفل کی کیا ضرورت ہے جو اس تکفل کو موقوف علیہ قرار دیکر واجب کہا جاوے جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے تکفل کا اسی طرح ظہور ہوتا ہے کہ مخلوق پر اس تکفل کو واجب فرمایا اور ہزاراں ہزار بندوں کو اس واجب کے ادا کرنیکی توفیق دی اور بعد ادائے واجب کے اُس کا ثمرہ کہ قیام جماعت ہے مرتب ہوا تو وعدہ الٰہیہ اس طرح صادق ہوگیا۔

جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرما کر اُس کو اس طرح پورا کیا کہ بندوں کو بھی اسکا مکلف بنایا اور مکلفین میں بہت لوگوں کو توفیق دی تو کیا کسی کو اس کہنے کی گنجائش ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حفاظت قرآن کی کفالت فرمائی ہے تو ہمکو اسکے اہتمام کرنیکی کیا ضرورت ہے اسی طرح اس جماعت کے وجود کے وعدہ سے اقامت جماعت کیلئے اہتمام کا واجب ہونا لازم نہیں آتا۔

اگر کسی کو دوسرا فلسفی شبہ ہو کہ اس صورت میں حق تعالیٰ کا فعل ہمارے فعل پر موقوف ہوا تو نعوذ باللہ منہ واجب کو ممکن کی طرف احتیاج لازم آئی اُسکا جواب یہ ہے کہ تقریر بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ اصل موقوف علیہ توفیق ہے اور توفیق خود فعل حق ہے اور اُسکے بعد جو بندہ کا فعل ہے وہ توفیق کا موقوف علیہ نہیں بلکہ توفیق کے لوازم متاخرہ سے ہے اور توقف شئی علی شئی آخر سے اُس پہلی شئی کا توقف اُس شئی آخر کے لازم متاخر پر لازم نہیں آتا کوجود النہار یتوقف علی طلوع الشمس الذی من لوازمہ المتأخرۃ طمس الکواکب فلا یلزم توقف وجود النہار علی طمس الکواکب و لا یلزم ان یکون لطمس الکواکب مدخل فی وجود النہار فافہم۔

حکم پنجم۔ جو ایسی جماعت کی یا اُس کی اقامت میں سعی کرنیوالوں کی نصرت و اعانت نہ کرینگے وہ حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں لا یضرھم من خذلھم میں سخن فہم کی نظر میں اسکی صراحت ہے چنانچہ ابتداء مضمون ہذا میں اس حدیث کے تحت میں اسکی ایک تقریر بھی کیگئی ہے ملاحظہ فرمایا جاوے اور اس طرح بھی اُسکی تقریر ہو سکتی ہے کہ من خذل سے ضرر رسانی کی نفی کیگئی ہے تو خذلان اگر امر جائز تو شرعاً ضرر رسانی کا اُسمیں احتمال ہی نہ تھا تو نفی کی ضرورت ہی نہ تھی نفی اسی لئے کی کہ فی نفسہ

ن مضر تھا مگر چونکہ نصرت حق ان کے ساتھ ہے اسلئے اُس خذلان کا اثر ظاہر نہیں ہوا لیکن
ے خذلان کا فی نفسہ مضر ہونا مرتفع نہیں ہوا وہ بحالہ مضر رہا۔

اور جو امر حق و اہل حق کیلئے مضر ہوگا ظاہر ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو کیسے ناپسند نہ ہوگا پس بلا عذر
ی خذلان و خاذل حق تعالیٰ کے نزدیک ملام و مذموم ہونگے تو جس طرح حکم بالا میں اعانت کا وجوب
بت ہوتا ہے اسی طرح اس حکم میں اعانت نکرنیکی حرمت ثابت ہوتی ہے یہ حکم تو بہ کلی ہے تو ظاہر ہے کہ اجماعی ہے
البتہ بعض خصوصیات جزئیہ کی تقیید کے بعد کسی وقت اسکے اجتہادی ہونے میں گنجایش ہے
جتہادی ہونا کسی حکم کا اس پر مجبور نہیں کرتا کہ اُس پر عمل کرنیکے لئے اجماعیت کا انتظار کیا جاوے
ہ سمجھ جانیوالوں کے ذمہ اُس پر عمل شروع کردینا ضروری ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ اعانت کی قسمیں مختلف ہیں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے اقتضاء سے اہل اموال
ب ہے کہ اس غرض کی تکمیل کیلئے چندہ دیں یکمشت بھی اور دوامی بھی اور اہل اثر پر واجب ہے کہ لوگوں کو
ت کی ترغیب دیں مگر اس شرط کی رعایت واجب ہے کہ طیب خاطر کے ساتھ لیا جاوے ثقل اور کراہۃ کیساتھ
یا جاوے ورنہ وہ حرام ہوگا اور اہل دل پر واجب ہے کہ دل سے دعا کریں اور اہل الرائے پر واجب ہے کہ نیک
شورہ دیں اور اسی مشورہ میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر اسکے دستور العمل میں کوئی مضرت و مفسدہ محسوس فرماویں
تحریراً یا تقریراً اُس پر مطلع فرماویں اور اسمیں نوبت گفتگو کی آوے تو بدون ضیق قلب گفتگو فرماویں۔
اور اسکے بعد بھی اگر اجتماع آرا نہ ہو تو باہم وہی طریق عمل رکھیں جو امور اجتہادیہ میں ہوتا ہے کہ
ب اپنی اپنی رائے پر عمل کریں اور ایک دوسرے پر رد و قدح نکریں اسی طرح اگر کوئی بزرگ سلف کے اوصاف
اہری و باطنی کے جامع ہونیکے سبب یا کوئی بندۂ خدا فطری آزادی کے سبب انتظام خاص کا مقید نہ ہو
ہو سکے تو اُس کی برکت و شرکت دعا اور سادگی کے ساتھ خدمت دین کرنے پر اکتفا کیا جاوے
ف طبع پر مجبور نہ کیا جاوے۔ اخیر کی ان تینوں اعانتوں کا مصداق ایک شعر یاد آیا ہے

لا خیل عندك تهديها ولا مال　　فليسعد النطق ان لم يسعد الحال

حکم ششم واولئك هم المفلحون اور منصورين اور لا يضرهم میں یہ ارشاد ہے کہ ایسی جماعت
یا ساعی فی اقامتہم کو کسی کے ساتھ دینے نہ دینے کا انتظار نکرنا چاہئے اس سے اُن حضرات کو جو کہ
العلوم بنانا مدرسہ دیوبند کا تجویز کرچکے ہیں کسی کی شرکت و موافقت کا منتظر نہ رہنا چاہئے اگرچہ موافقت
کی قرین صواب ہے لیکن بنام خدا اسکو شروع کر ہی دینا چاہئے انشاء اللہ تعالیٰ قلوب خود اس طرف

متوجہ ہو گئے اور جو نہ ہو گئے اُنکے نہ ہونے سے کچھ ضرر نہوگا اور ضرر نہ ہونیکی ظاہری صورت وہ ہوگی جسکو ایک آیت کریمہ میں فرمایا ہی۔ وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔

یہاں بھی اس مضمون کو یاد کر لیا جاوے جو اختلاف اجتہادی کے متعلق حکم نہم اخیر میں مذکور ہوا ہے جسمیں اہل عذر اجتہادی مستثنےٰ کئے گئے۔

حکم ہفتم بقول شاہ ولی اللہ صاحب بنام خدا اس دار العلوم میں ان لوگوں کو تیار کر نیکا سامان کیا جاوے۔ مفسر۔ محدث۔ فقیہ۔ متکلم۔ مناظر۔ مصنف۔ مفتی۔ واعظ۔ اور ایسے لوگ ان خدمات کیلئے منتخب کئے جاویں جو یا تو غناء ظاہر رکھتے ہوں یا غناء باطن اور انکی مالی خدمات حسبۃً للہ عمر بھر کیجاوے اور وہ عمر بھر دین کی خدمت میں خالصاً للہ مشغول رہیں لفظ خلفاء ربانیین میں اس طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ یہ خلافت نبوۃ کی ہے اور انبیاء علیہم کا یہی طریق رہا ہی کہ انہوں نے اشاعت دین پر معاوضہ نہیں لیا۔ لا اسألکم علیہ اجراً۔ لا اسالکم علیہ مالاً۔ ام تسئلھم خرجاً فخراج ربک خیر۔ اسی طرح وارثان علوم نبویہ کیلئے بجائے اکتساب کے انکے نفقات قوم کے ذمہ قرار دیئے گئے قال اللہ تعالیٰ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ الخ۔

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اس مختصر مضمون میں صرف اجمالی خاکہ ضرورت و حالت دار العلوم کا کھینچا گیا ہی۔ اسکے بعد میں مولانا عبید اللہ صاحب ناظم جمعیۃ الانصار سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ زبانی یا اپنی تحریرات سابقہ یا حال کے ذریعہ سے جو کہ اسی مضمون میں لکھی گئی ہوں اس مضمون کی جسقدر مناسب سمجھیں تفصیل فرمادیں کہ وہ اسکو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور اچھی طرح سمجھا سکتے ہیں۔

بلکہ میں نے جو کچھ ان پریشان عبارات میں عرض کیا ہی وہ اُن ہی کی توجہ کی برکت ہی اور میں یہ بات براہ تکلف نہیں کہتا بلکہ یہ ایک واقعہ ہی جو مجھہ پر گذرا ہے کہ جب مجھہ سے مولوی صاحب موصوف نے اس باب میں کچھ لکھنے کو فرمایا واقعی میں خالی الذہن تھا ایک صفحہ کے لائق بھی ذہن میں مضمون نہ تھا اور مولوی صاحب نے فرمایش کی ۲۰ صفحہ کی۔ میں نے عذر بھی کیا مگر دوبارہ فرمانے سے قبول کرنا پڑا لیکن متردد تھا کہ کیا لکھونگا صرف شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت کہ وہ بھی مجکو مولوی صاحب ہی سے ملی تھی میرے پاس کل سرمایہ تھا مگر جب لکھنے بیٹھا غالباً پانچ گھنٹہ میں یہ ۲۰ صفحہ لکھے گئے میرا اعتقاد یہی ہے کہ اس فضل خداوندی کے ظاہری دو سبب ہوئے ایک مدرسہ دیوبند کی مقبولیت دوسرا مولوی صاحب کے توجہ کی برکت۔ اسکے چاہے یہ معنی نہ ہوں کہ مولوی صاحب صاحب تصرف ہیں لیکن یہ ضرور ہی کہ صاحب خلوص ہیں اور خلوص کی ایسی تاثیرات متعدیہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ مقام تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔